حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

یورپ کا توسیع پسندانہ اور سامراجی رویہ

مسلمانوں کی عہد اول کی تاریخ بڑی شاندار رہی ہے انہوں نے نہ صرف یہ کہ مشرقی ایشیا سے مغربی افریقہ اور یورپ کے مغربی علاقہ اسپین تک اپنی طاقت اور سربراہی کا لوہا منوایا بلکہ علمی میدان میں اور تہذیب واخلاق کی خوبی میں شاندار کارنامے انجام دیئے اور علم وتمدن کا وہ معیار قائم کیا جو اس وقت اور اس کے بعد زمانہ کے لئے روشنی کا مینار بنا یہ وہ وقت تھا جب یورپ کی قومیں علم وتمدن کے لحاظ سے گھٹاٹوپ اندھیرے میں تھیں انہوں نے مسلمانوں کے علم وترقی کو دیکھا اور کئی صدی بعد اس سے فیض اٹھانا شروع کیا اور بتدریج ترقی کے راستے پر گامزن ہوئیں' مسلمان قومیں علم و ثقافت وتمدن اور اعلیٰ انسانی قدروں کے ساتھ صدیوں تک علمی ترقی اور سلطنت واقتدار کے میدان میں نمایاں رہیں اور اقوام عالم کے درمیان ان کو قائدانہ اور معلمانہ مقام حاصل رہا۔ اور اسپین کا اسلامی ملک اندلس تو یورپ کے ملکوں کے بالکل قریب ہی تھا لہذا وہ یورپ کے حلقوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بنا' اور یورپ کے ممالک جو عیسائیت کو اختیار کئے ہوئے تھے اور علمی وتمدنی لحاظ سے بہت پسماندہ زندگی کے حالات سے گزر رہے تھے بالآخر عالم اسلام کی علمی ترقیات وخصوصیات سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ ہوئے' اور اندلس کی درسگاہوں سے باقاعدہ استفادہ علمی کیا' اور اس کے نتیجہ میں ان کی آنے والی نسلوں میں بتدریج علم سے دلچسپی بڑھتی گئی' اور نتیجتاً وہ علم وتمدن کی راہ پر امتیازی حیثیت سے گامزن ہوگئے اور اسی کے ساتھ مسلمان ملکوں میں چھ سات سو سال عروج میں رہنے کے بعد زوال کا سلسلہ شروع ہوا' چنانچہ ایک طرف یورپ علم وتمدن کی دلچسپی میں آگے بڑھتا گیا اور دوسری طرف مسلمان ممالک بے توجہی اور غفلت میں مبتلا ہوتے گئے۔ جس کے نتیجہ میں دونوں کے درمیان تقریباً دو صدی کی ترقی وتنزلی کے نتیجہ میں جو تقریباً پندرہویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی تک پیش آئی' پورا عالم اسلام زوال وانحطاط اور مغربی دنیا ترقی اور کامیابی میں اہمیت کے مقام پر پہنچ گئی اور سترہویں سے انیسویں صدی کے درمیان تقریباً سارے مسلمان ممالک یورپ کی طاقتوں کے زیرنگوں آگئے۔ سیاسی اور عسکری طور پر زیرنگوں آجانا تو ایسی خاص بات نہ ہوتی کیونکہ طاقت کے ٹکراؤ میں نشیب وفراز آتے ہی ہیں' لیکن خسارہ اور فکر کی بات یہ ہوئی کہ طاقت کے اسباب کی طرف توجہ کرنے اور علمی ترقی اور تمدنی کے وسائل کے اختیار کرنے کے معاملہ میں مشرقی قوموں کے درمیان بڑا فاصلہ پیدا ہوگیا۔ ساری مشرقی اقوام شکست خوردہ اور پسماندہ ہوگئیں اور یورپین قوموں کی غلام بن گئیں اور غلامی بھی ایسی کہ اس میں غالب قوموں کی

طرف سے ان مغلوب قوموں کو انسانی رواداری اور ہمدردی اور حق پسندی سے بھی محروم کر دیا گیا۔ یہ ظالمانہ سامراج اور استعماری رویہ تھا' اس میں سمندر پار سے آئی ہوئی طاقتیں ان مشرقی ملکوں کے اصلی باشندوں کے ساتھ زر خرید غلام جیسا سلوک کرتی رہیں اور ان کے ممالک کو اپنی ذاتی جائداد کے طور پر استعمال کرتی رہیں اس جبر و حق تلفی نے بالآخر مشرقی اقوام میں مظلومیت کا احساس پیدا کیا جو بیداری کی طرف لے گیا اور آزادی کی تحریکیں چلیں جو بتدریج اثر انداز ہوئیں اور آہستہ آہستہ ایسی فضا بنتی گئی کہ بیسویں صدی کی وسط تک مغربی سامراج کو مشرقی ملکوں کی حکومت سے دست کش ہونا پڑا اور یہ مشرقی قومیں براہ راست غلامی سے آزاد ہوگئیں' لیکن مغربی ممالک کے حکمرانوں کو چونکہ اپنے ملکوں کے اصحاب اقتدار کی سرپرستی کے ساتھ اپنے یہاں کے دانشوروں کا تعاون بھی حاصل تھا' لہذا حکومتی سطح پر مشرقی ملکوں کو آزادی ملنے پر بھی ثقافتی اور علمی سطح پر مغربی ممالک کا اثر و رسوخ مشرقی ملکوں میں برابر قائم رہا چنانچہ اس کے ذریعہ مغربی ممالک مشرقی ممالک میں فکری اور علمی لحاظ سے اپنا اقتدار باقی رکھنے میں کامیاب رہے اور اس کے اثر سے مشرقی ممالک کو ذہنی اور سیاسی بلکہ اقتصادی لحاظ سے بھی اپنے زیر اثر رکھتے رہے۔

مغربی ممالک کا حکومتی اقتدار مشرقی ممالک سے جانے کے بعد مغربی ممالک کی طرف سے سیاسی حکمتِ عملی ایسی ہوشیاری کی رہی کہ مشرقی ممالک کے سادہ لوح لوگ اس کو بروقت سمجھنے سے قاصر رہتے رہے' اور مغربی استعمار اپنی دوررس منصوبہ بندی سے اپنے مقاصد حاصل کرتا رہا اور یہ سلسلہ بدستور قائم ہے اور مشرقی ممالک میں مغربی حکمت عملیوں کی تابعداری جاری ہے۔

بلادِ عربیہ کے متعدد ملکوں پر اور ہندوستان کے مختلف علاقوں پر برطانیہ نے جب اقتدار حاصل کیا تھا تو اس نے آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو کی حکمتِ عملی اختیار کی تھی اور اس کے لئے یہاں کے مختلف حکمرانوں کے مابین کشمکش بڑھانے اور ایک دوسرے کی کشمکش میں کسی ایک کی دوسرے کے خلاف مدد دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ اس طریقہ سے اپنے کو بالادستی اور اقتدار تک پہنچایا اثر و رسوخ کو بڑھایا۔ حالانکہ انگریز یہاں ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت سے آئے تھے' لیکن انہوں نے حفاظتی عملہ کے نام سے اپنی فوجی طاقت بنائی' یہاں کے حکمرانوں میں ایک مذہب اور ایک قوم ہونے کے باوجود آپسی اختلافات کی صورت میں ایک دوسرے کے خلاف غیروں سے مدد لینے کی کمزوری پیدا ہو چکی تھی اسی کمزوری نے ایک کو شکست دوسرے کو فتح تو دلایا لیکن فتح پانے والا بھی اپنی مدد کرنے والی طاقت کا دست نگر ہو کر غلامی کی ذلت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمن جب دوست کے لباس میں سامنے آتا ہے تو اس کے اظہار دوستی اور تعاون کی حقیقت جاننے میں سمجھداری کا بڑا امتحان ہوتا ہے' اس سمجھداری میں کوتاہی بُرا انجام لاتی ہے۔ چنانچہ اندلس سے مسلمانوں کا اخراج اسی کمزوری کے نتیجہ میں ہوا اور ہندوستان جیسے وسیع رقبہ اور آبادی والے بڑے ملک کو آبادی اور رقبہ

لحاظ سے اپنے سے آٹھ گنا چھوٹے اور سات سمندر پار ملک سے آئے ہوئے حریف کے سامنے ذلت کے ساتھ ماتحتی قبول کرنی پڑی اور اس ماتحتی میں یہ بڑا ملک دوسو سال بے بضاعتی اور بے کسی کے عالم میں رہا' اس کا آج آزادی کے زمانہ میں پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ برطانوی سامراج کے زمانہ میں ملک کی آبادی کو کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں' برطانیہ کے سامنے غلامی میں رہنے کے دور میں آزادی سے کچھ قبل جب کہ ملک کی آبادی آج کے مقابلہ میں ایک چوتھائی تھی' ملک کے باشندوں کو غذا اور سامان زندگی کے حصول میں اتنی کمی کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ بنگال کے صوبہ میں ہولناک قحط نے بیشمار آدمیوں کو بھوک سے ختم کر دیا اور پورے ملک میں عرصہ تک کھانے اور زندگی کی دوسری اشیاء کی برابر کمی پیش آتی رہی حتی کہ غلہ' کپڑے اور ضرورت کا سامان راشن کارڈ اور کنٹرول سے لینے کے لئے لائنیں لگانی پڑتی تھیں۔ اور آج اسی ملک میں آبادی چوگنی ہو جانے کے بعد بھی ضرورت کی اشیاء فراوانی کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں' یہ اس لئے ہے کہ ملک کے باشندے خود ہی منتظم واہل کار ہیں باہر کی طاقت کے رحم وکرم پر نہیں ہیں' لیکن یہ ملکی رہنما اگر صرف اپنے ملک اور ملک کے باشندوں کے مفاد ہی کو پیش نظر رکھیں تب ملک کو فائدہ پہنچے گا اور اگر ذاتی مفادات یا صرف فرقہ وارانہ فائدوں کی فکر تک محدود رہیں گے تو ملک کو نقصان پہنچے گا۔

مغربی سامراج کا اس ملک پر قبضہ کے زمانہ میں ملک کی آبادی کو کیا کیا جھیلنا پڑا' ملک کے باشندوں کی طرف سے ۱۸۵۷ء میں آزادی کی کوشش کی گئی تھی' جس میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی اس کی سزا میں لوگوں کو خطا کار اور بے خطا کے فرق کے بغیر بے دریغ قتل کیا گیا' یہ استعماری طاقتوں کے کردار کی ایک مثال ہے' اسی نمونہ پر شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک میں فرانس اور بعض حصوں میں اٹلی نے جابرانہ سامراجی طریقے اختیار کئے۔ جس کے نتیجے میں وہاں کے کئی کئی لاکھ باشندے اس جابرانہ رویئے کی نذر ہو گئے' دنیا میں علی العموم فاتح مفتوح کے ساتھ جابرانہ رویہ اختیار کرتا ہے' خاص طور پر جب اس کے سامنے خدا اور آخرت کا تصور رکاوٹ نہ بنے' خدا کا خوف اور آخرت کا صحیح تصور ہو تو انسان انسان کے ساتھ محبت اور خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے' چنانچہ مسلمان حکمرانوں میں بے شمار ایسے افراد گزرے ہیں جن میں خوف خدا اور آخرت کی سزا وجزا کا خیال تھا' لہذا انہوں نے اپنے ماتحت قوموں کے ساتھ انصاف اور ہمدردی کا رویہ اختیار کیا' اور یہ نہ ہو تو پھر فاتح کا مفتوح پر ظلم کرنا کوئی نئی بات نہیں ہوتی' چنانچہ یورپی استعماری طاقتوں نے اپنی مفتوح قوموں کو زندگی کے مختلف محاذوں پر ان کے حقوق سے محروم کرنے کا جابرانہ رویہ اختیار کیا' آج اس کی واضح مثالیں سیاسی میدان میں' مذہبی میدان میں اور ثقافتی میدان میں کھلے طریقہ سے نظر آتی ہیں۔ مزید یہ کہ اس کام کے لئے انہوں نے منصوبہ بند کوششیں کیں۔ یہ منصوبے عام طور پر بڑی ذہانت سے بنائے جاتے رہے کہ جن کا عام طور پر ان مصیبت زدہ لوگوں کو واقعات کے پیش آجانا ہی پر پتہ چلا۔

برطانیہ نے شام وفلسطین پر اپنے قبضہ کے دوران یہودیوں سے فلسطین میں ان کی آبادی کو قائم کرنے اور

اس پر قبضہ دلانے کا وعدہ گزشتہ صدی کے شروع دور ہی میں کر لیا تھا۔ پھر اس کی تدبیر خاموش طریقہ سے اختیار کی' ان کی بستیاں بسانے میں مدد دی' پھر ان کو فوجی طاقت کی صلاحیت پیدا کرنے میں مدد دی جس کے نتیجہ میں عربوں سے اقتدار چھیننے کا ان کو موقع فراہم کیا اور عرب ملکوں پر جو برطانیہ کے ماتحت رہ چکے تھے جنگ روک دینے پر اصرار کیا جبکہ عرب اپنے ملک فلسطین میں اپنا اقتدار واپس لینے کے قریب پہنچ گئے تھے' پھر مزید کارروائیاں امریکہ کے تعاون سے اختیار کیں اور بتدریج فلسطین میں ان کی حکومت وسیع اور مضبوط کر دی۔ اسی کے ساتھ عرب و مسلمان ملکوں میں برسر اقتدار ایسے لوگ لائے گئے جو وہاں کے باشندوں کے ساتھ جمہوری قدروں سے ہٹ کر جابرانہ انداز میں معاملہ کرتے رہے اور سامراجی طاقتوں کی مصلحتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

برطانیہ و فرانس نے اپنے زیر اقتدار علاقوں سے نکلنے کے بعد استعماری منصوبہ بندی اور استبدادی کاموں کی باگ ڈور کی بڑی طاقت امریکہ کے سپرد کر دی' چنانچہ گزشتہ صدیوں میں جو طرز عمل برطانیہ اور فرانس کا تھا اس کو جمہوری عنوانات سے امریکہ انجام دینے لگا۔ جس کے اثر سے مشرقی قوموں کی زندگی کے مختلف پہلو اس کے استعماری منصوبوں کے شکار ہونے لگے' اس کی منصوبہ بندی اس طرح کی جاتی رہی کہ اس کا اثر اقتصادیات پر کنٹرول کرنے کی صورت میں اور ملک کی سیاسی پوزیشن کو متاثر کرنے کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہو' اسی کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہب کی ترویج کے لئے بھی موثر ذرائع اختیار کرنے کا سلسلہ بھی ہے اس کے ساتھ لٹریچر اور میڈیا کے ذریعہ بے باک بے خدا ثقافت کی ترویج بھی کی جاتی ہے اور سامراجی اثر و رسوخ قائم ہونے میں کہیں رکاوٹ پیدا ہو تو کسی بہانے سے عسکری طاقت کو کام میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ افغانستان میں جو کارروائیاں کی گئیں اور عراق میں جو کی جا رہی ہیں ان کے پیچھے بڑی حد تک اقتصادی نفع اندوزی اور سیاسی رجحان پر تصرف کا حق حاصل کرنے کی تدبیریں دیکھی جا سکتی ہیں' مشرقی ممالک میں ذرائع ابلاغ کے وسائل کو ذہن سازی کے لئے جس طرح استعمال کیا جا رہا ہے ان کے پیچھے مذہب اور اخلاق کو مغربی ملحدانہ اہل فکر کی مرضی و پسند کے مطابق ڈھالنے کا منصوبہ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

گزشتہ صدی کے آغاز تک ساری عرب دنیا اور ترکی کا ملک ایک وسیع سلطنت کی صورت میں تھے' یہ مسلمانوں کے لئے ایک بڑے زبردست ملک کی حیثیت رکھتا تھا' گزشتہ صدی کے آغاز کے بعد برطانوی مشیروں نے عربوں کو قومیت کا نعرہ دے کر ترکی کے خلاف ورغلایا' جس کے نتیجہ میں تحریک چلی اور عرب ملک ترکی حکومت سے الگ ہو کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے' اور بتدریج برطانیہ و فرانس کے اقتدار اور سرپرستی میں چلے گئے اور اس طرح مسلمانوں کا یہ ملک جو ایک زبردست طاقت تھا ۲۰۔۲۲ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تبدیل ہو گیا۔ دوسری طرف ترکوں کو عربوں کے اس رویہ کے خلاف نفرت دلا کر اسلام کی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی' اور مصطفیٰ کمال کے ذریعہ اسلام کے شعائر کو ممنوع قرار دلوایا' بہرحال آج مشرق وسطیٰ میں جو سیاسی اور حکومتی انتشار اور آپسی ٹکراؤ ہے

اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سب برطانیہ کی ذہن سازی اور ترکیب کا نتیجہ ہے۔

فرانس نے مراکش، الجزائر اور تیونس پر اپنے قبضہ کے دوران عربی زبان سے ان کو محروم کرنے اور فرانسیسی زبان کو ان ملکوں کی وطنی زبان بنانے کی تدابیر اختیار کیں، علماء نے مقابلہ کیا اور بالآخر پندرہ بیس لاکھ افراد کی جانوں کی قربانی لینے کے بعد فرانس نے ان علاقوں کو چھوڑا، لیکن الگ الگ کر کے اور اپنی تعلیمی تدابیر سے ان کے باشندوں کا ذہن یورپ زدہ بنانے کے ساتھ چھوڑا، جس کے اثرات وہاں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور حکمرانوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مشرقی ایشیاء میں ہالینڈ نے بھی سامراجی پالیسی کے تحت انڈونیشیا پر اقتدار قائم کیا اور بڑی مشکل سے ملک کو چھوڑا لیکن اپنے ثقافتی اثرات سے وہاں عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کی سرپرستی امریکہ و دیگر مغربی ممالک ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد بھی کر رہے ہیں اور عیسائیت کو مسلط کرنے کی برابر انتھک کوشش جاری ہے۔

یورپ کے ملکوں کی طاقت کمزور ہو جانے کے بعد ان کاموں کے لئے امریکہ نے ان کی جگہ سنبھال لی، اس نے جاپان کو قابو میں کرنے کے لئے اس کے آباد شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے جس سے لاکھوں افراد ہلاک اور معذور ہوئے، پھر ویت نام میں اپنا اثر قائم کرنے میں ہزاروں ہزار انسانوں کی جانیں لیں اور اب کچھ عرصہ سے افغانستان اور عراق پر قبضہ جمایا، جس کے دوران کتنے بے گناہوں کو جیل اور سزا کی اذیتوں سے گزرنا پڑا اور اب بھی گزر رہے ہیں اور اب شام و ایران کے بھی ان کی زد میں آنے کے امکانات ہو گئے ہیں۔ اور ان سب نے مشرقی ملکوں میں جس تہذیب و تمدن کا پرچار کیا جو ان کی سرپرستی میں برابر جاری ہے، اس میں تمام اسلامی اور مشرقی قدروں کو ہولناک چیلنجوں کا سامنا ہے، اخلاقیات کا پورا ڈھانچہ بدلا جا رہا ہے۔

خود امریکہ و یورپ کے اخلاقی آزادی اور حیا سوز بیباکی کے جو واقعات ان کے تمدن و معاشرہ میں پیش رہے ہیں جن کو وہ رضامندی کے ساتھ ہونے پر کچھ عیب کی بات نہیں سمجھتے وہ ایسے غیر معمولی ہیں کہ بعض تو جانوروں میں بھی پیش آ رہے ہیں جن کو وہ رضامندی کے ساتھ ہونے پر کچھ عیب کی بات نہیں سمجھتے وہ ایسے غیر معمولی ہیں کہ بعض تو جانوروں میں بھی پیش نہیں آتے، اس آزادی و بے باکی کے نتیجہ میں لاکھوں بچے ایسے پیدا ہو رہے ہیں جن کے باپ کا پتہ نہیں چلتا صرف ماں تک ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے اور مرد و عورت کی شادی کو زحمت سمجھ کر دل خوش کرنے کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا بھی عام ہوتا جا رہا ہے اس کے لئے میڈیا کے ذرائع اور قانون ہمت افزائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور یہی صورت حال مغربی ملکوں کی طرف سے ان کے سامراجی ذرائع سے مشرقی ممالک کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے نام سے اختیار کی جا رہی ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ان حالات کو مشرقی قوموں کے دانشور بھی زیادہ توجہ کے قابل نہیں سمجھ رہے ہیں، ان میں

عمومی ذہن کے اعتبار سے حالات کے بارے میں زیادہ خطرہ کی بات نہیں سمجھی جاتی ہے' اچھا گمان ہی پایا جاتا ہے' حالانکہ اس طرح کے کاموں کے لئے جو منصوبے استعماری طاقتیں استعمال کرتی ہیں ان کا انتظام بعض وقت کئی دہائی پہلے شروع ہوا ہوتا ہے اور جب نتائج تک نوبت پہنچی ہے تب لوگوں کو کچھ توجہ ہوتی ہے اور اس وقت تک ان کے تدارک کا موقع ہاتھ سے تقریباً نکل چکا ہوتا ہے اور صرف افسوس کیا جاسکتا ہے۔

ان حالات کی صورت میں مشرقی ممالک کی سیاسی' ثقافتی اور اخلاقی زندگی پر جو اثرات پڑ رہے ہیں اور جو خود ان کی کتابوں اور رسالوں میں آ رہے ہیں ان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہی اثرات ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مشرقی ممالک کے پڑھے لکھے لوگوں میں پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اور اسی طرح مشرقی ممالک کے جو معدنی ذخائر یا اقتصادی ذرائع ہیں مغربی طاقتوں کی طرف سے ان سے نیم مالکانہ فائدہ اٹھانے کی تدابیر کی جا رہی ہیں یہ ایسا ہے کہ اس کو ایک طرح سے پوشیدہ غلامی کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم خوبصورت اصطلاحات اور پسندیدہ الفاظ اور دلکش انداز بیان سے ہی حقیقت کو سمجھنے میں مدد نہ لیں بلکہ ماضی اور حال کے واقعات کی حقیقتوں کے گہرے مطالعہ کے ذریعہ غالب قوموں اور بااثر طاقتوں کے عزائم کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان عزائم کے تحت جو منصوبے ہو سکتے ہیں ان کو شروع ہی میں سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے عمل میں آ جانے اور نتائج ظاہر ہونے سے پہلے ان کا تدارک کریں اور اگر تدارک نہ کر سکیں تو کم از کم ان سے آگاہ ہو سکیں اور دوست اور دشمن میں فرق سمجھ سکیں۔ خاص طور پر دشمن اگر دوستی اور ہمدردی کے انداز و اظہار کو اپنا طریقہ کار بنا رہا ہو۔

ہماری مشرقی دنیا میں گزشتہ تین صدیوں کے اندر مغربی استعمار اور اس کے استحصالی مقاصد سے جس طرح سابقہ پڑا ہے وہ بڑا دردناک اور مغربی ذرائع ابلاغ کے تصرف اور اثر و رسوخ کی وجہ سے مغرب کے استحصالی رویہ کو سمجھنے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اور اب استعماری و استحصالی رویہ اتنا مخفی بھی نہیں رہا کہ جس کے سمجھنے میں دشواری ہو' مگر افسوس یہ کہ ہم ابھی اپنے محدود مسلکی اور ذاتی و شخصی مصلحتوں کے ٹکراؤ سے ہی پوری طرح نہیں نکل سکے ہیں' اور اپنی طاقت اور دانشوری کا میدان علی العموم ان ہی ذاتی شخصی مقاصد کو ہی بنائے ہوئے ہیں۔

ضرورت ہے ہم ان دانشوروں کے مضامین اور کتابوں کا مطالعہ کریں جنہوں نے مغرب کے اس رویہ کا گہرا مطالعہ کر کے اس کے مضر پہلو اور اس کے موثر نتائج کی نشاندہی کی ہے اور اب اس سلسلے کا لٹریچر اچھا خاصا تیار ہو چکا ہے اور مغربی ممالک میں آنے جانے والے یا وہاں کچھ وقت گزارنے والے حضرات ایک تعداد میں یہ مفید کام انجام دے رہے ہیں۔